رمضان المبارک

مستقبل کے لیے روشنی

خرم مراد

منشورات

ترتیب

پیش لفظ

منشورات کی طرف سے رمضان المبارک کے موقع پر خصوصی پیش کش کا سلسلہ جاری ہے۔

اس سال ہم محترم خرم مراد کے ۱۹۹۲ اور ۱۹۹۳ کے رمضان کے موقع پر لکھے گئے اشارات سے ترتیب دے کر "**رمضان: مستقبل کے لیے روشنی**" پیش کر رہے ہیں۔

عموماً عبادات کے ساتھ انفرادی نیکی کا تصور وابستہ ہے' درآں حالے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی درست رکھنے کے لیے بھی مقرر فرمایا ہے اور اللہ کے رسولؐ نے اس کا نمونہ بھی پیش فرمایا۔ رمضان کے روزے بھی غیر معمولی اجتماعی اہمیت رکھتے ہیں۔

آج کے حالات میں امت مسلمہ اور خود اہل پاکستان رمضان کی بیش بہا نعمت سے کیا سرمایہ اور رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں' یہ ان تحریروں کے مطالعے سے آپ پر آشکار ہو گا۔

رمضان المبارک

مستقبل کے لیے روشنی

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ عوام الناس کی اصلاح اور تزکیہ کے لیے جب ایک مہینے کے روزے ہر فرد پر فرض کرنا مطلوب ہوا' تو یہ بھی ضروری ہوا کہ اس مہینے کا تعین کر دیا جائے۔ اگر ہر شخص کو اختیار دے دیا جاتا کہ وہ اپنی سہولت کے لحاظ سے کسی ایک مہینے کے روزے رکھ لے' تو "عذرات اور بہانہ جوئی کا دروازہ کھل جاتا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جاتا' اور اسلام کی یہ عظیم الشان عبادت گمنام ہو کر رہ جاتی"۔ پھر جب ایک مہینہ کا تعین ضروری ہوا تو اس مقصد کے لیے:

> اس مہینہ سے زیادہ حق کس کا ہو سکتا تھا جس مہینے میں قرآن نازل ہوا' ملت مصطفویؐ کو استحکام و غلبہ حاصل ہوا' اور جس میں شب قدر پائے جانے کا امکان غالب ہے۔

رمضان المبارک میں قرآن مجید نازل ہوا'اور اسی لیے اس مہینے کو روزے رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے' اس امر کو خود قرآن نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ یہ رمضان کی ایک مبارک رات تھی' قوی امکان ہے کہ آخری عشرے کی کوئی طاق

رات، اور طلوع سحر کا وقت، جب جبرئیل امین ہدایت الٰہی کے نور کی پہلی کرن لے کر غار حرا میں داخل ہوئے اور نور قرآن سے قلب محمدیؐ کو منور کر دیا۔ اس طرح ملت مصطفویؐ کا بیج بو دیا گیا، امت مسلمہ کی بنا رکھ دی گئی، حیات انسانی کی سحر کے طلوع کا سامان ہو گیا، اور اُفق عالم پر صبح نو کی پہلی روشنی نمودار ہو گئی۔ رمضان میں نزول قرآن کا یہ دن حیات ملی کا سب سے اہم اور مبارک دن ہے کہ اسی دن ملت کو وجود بخشا گیا، ملت کے جسد میں روح پھونکی گئی، اس کا مقصد حیات مقرر کر دیا گیا، اور اس کے عروج و زوال کے سارے اسرار اس پر نازل کر دیے گئے۔

مگر اس بات کا ادراک کم لوگوں کو ہے کہ روزوں کے اس مہینے ہی میں حیات ملی کے وہ دو اہم واقعات پیش آئے، وہ دو سنگ میل نصب کیے گئے، وہ دو باب لکھے گئے، جنھوں نے حرا کے پیغام کی حقیقت عیاں کر دی، اس کی تشکیل اور صورت گری مکمل کر دی، کلام الٰہی کے ننھے منے بیج کو ایک ایسا تن آور اور ثمربار شجر بنا دیا جس کی جڑیں آج تک نہیں ہلائی جا سکیں اور جس کی شاخیں صدیوں تک عالم انسانی کے اوپر سایہ کیے رہیں، اور آج بھی کیے ہوئے ہیں۔ ان دو تاریخی واقعات نے امت محمدیہؐ کو وسعت و استحکام عطا کیا، خوف کو امن سے، ضعف کو قوت سے، مغلوبیت کو تمکین سے بدل دیا، اور مستضعفین کو **مشارق الارض ومغاربھا** میں استخلاف و امامت کے منصب پر فائز کر دیا۔ ایک واقعہ جنگ بدر کا، اور دوسرا فتح مکہ کا۔ اسی لیے شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ رمضان روزوں کے لیے اس لیے ہی مخصوص کیا گیا کہ اس ماہ میں "ملت مصطفویؐ کو استحکام و غلبہ حاصل ہوا"۔

یہ رمضان المبارک کی ۱۷ تاریخ تھی جب ندائے حرا پر لبیک کہنے والے، حامل قرآن کا ہاتھ تھام لینے والے، اور اس جرم میں اپنے گھروں سے نکالے جانے والے بدر کے میدان جنگ میں قرآن اور حامل قرآنؐ کے مخالفین و معاندین کے مقابلے

میں فتح یاب ہوئے۔ قرآن خود فرقان ہے' یوم بدر یوم الفرقان بن گیا۔ یہ حقیقت بھی آشکار ہوئی کہ اِقْرَاء اور قُمْ فَاَنْذِرْ کی راہ پر منزل تک پہنچنے کے لیے بدر کے معرکے سے گزرنا ناگزیر ہے' اور یہ بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ فتح' زندگی اور غلبہ حق کا مقدر ہے' باطل کا انجام ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

پھر یہ رمضان المبارک کی ۲۰ تاریخ تھی جب حق کو فتح مبین نصیب ہوئی' اور مکہ جو ام القریٰ ہے' اور ام القریٰ میں واقع اللہ کا وہ پہلا گھر کہ جو سارے جہانوں کے لیے برکت و ہدایت کا مخزن و منبع ہے' بندگیٔ رب واحد کا مرکز بن گیا۔ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانثار ساتھی جہاں سے بے سروسامانی کے عالم میں' ظلم و ایذا اور قتل کے منصوبوں کا شکار بنا کر نکالے گئے تھے' وہاں اس طرح داخل ہوئے کہ دشمن مغلوب تھے اور سارے خداوندان باطل سرنگوں۔

پھر جلد ہی ساری کی ساری بشارتیں پوری ہوئیں۔ ظلم و فساد کے آتش کدے بجھ گئے' اپنے جیسے انسانوں کی گردنوں پر خدا بن کر بیٹھنے والوں کے استکبار اور جاہ و حشم کے محلات زمین بوس ہو گئے' لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے ماننے والے عرب و عجم کے مالک بن گئے' یکہ و تنہا عورت زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کرتی اور کوئی اس پر ٹیڑھی نظر ڈالنے کی جرأت نہ کرتا' لوگ ہاتھ میں سونا لے کر نکلتے اور کوئی لینے والا نہ پاتے۔

آج' ہجرت کی پندرھویں صدی کے آغاز میں' امت جس نازک بحران سے گزر رہی ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے' اور مستقبل کے پردے میں فلاح و کامرانی کے جو تابناک امکانات اور بشارتیں پوشیدہ ہیں' ان کو زندہ حقیقت بنانے کے لیے' ہدایت و رہنمائی کا سارا سامان ان تین واقعات میں موجود ہے جو رمضان المبارک میں پیش آئے۔ آج کے لیے حکمت عملی' پالیسی' لائحہ عمل اور تدابیر وضع

کرنا تو آج ہی کے لوگوں کا کام ہے' اور یہ سب آج کے زمانے کے مطابق ہی ہوں گے' لیکن دور آغاز کے یہ واقعات وہ منارۂ نور ہیں جن کی روشنی ہی میں یہ کام اس طرح ہو سکتا ہے کہ کامیابی سے ہم کنار کرے۔ اس امت کے ہر دور میں کامیابی و ترقی کا راز اسی راستے میں پوشیدہ ہے جس سے دور اول میں کامیابی و ترقی نصیب ہوئی۔ بڑی محرومی کی بات ہو گی اگر رمضان آئے اور گزر جائے' اور امت اپنے مستقبل کی صورت گری کے لیے وہ روشنی حاصل نہ کر سکے جو رمضان میں ہونے والے ان واقعات میں موجود ہے۔

قرآن مجید کا نزول

اِقْرَاء (پڑھو اور سناؤ) کے پیغام سے قرآن مجید کا نزول شروع ہوا' کار رسالت کا آغاز ہوا' اور امت مسلمہ وجود میں آئی۔ قرآن ہی اس امت کی روح ہے جس کے ساتھ اس کی حیات و موت وابستہ ہے' قرآن ہی اس کا مقصد و مشن ہے' مقاصد و مساعی کا مرکز و محور ہے' اور قرآن کے ساتھ اس کی روش ہی پر اس کے عروج یا زوال' عزت و ذلت' اتحاد یا افتراق اور استحکام یا شکست و ریخت کا انحصار ہے۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

اسی لیے ہر سال ماہ رمضان میں پورے قرآن مجید کا سننا اور سنانا ضروری قرار پایا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کسی کتاب کو وہ مقام حاصل نہیں ہے' یہاں تک کہ انھیں بھی نہیں جنھیں کتاب الٰہی مانا جاتا ہے' جو مقام قرآن کو امت کی زندگی میں حاصل ہے۔ یہ وہ واحد کتاب ہے جو اپنے ماننے والوں کے دلوں میں بستی ہے' سینوں میں نقش ہے' زبانوں پر جاری رہتی ہے' رات دن اس کی تلاوت ہوتی ہے' ان گنت ختم ہوتے ہیں' رمضان میں ہر مسجد میں تلاوت و سماعت کا اہتمام ہوتا ہے' کروڑوں نسخے گردش میں ہیں' روزانہ ہزاروں مجالس درس ہوتی ہیں' تفاسیر کے انبار لگتے جا رہے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں کہ اس سب کے باوجود' نہ امت کی ذلت عزت سے بدلتی ہے' نہ مسکنت قوت سے' نہ خوف امن

سے' نہ افتراق اتحاد سے۔ اور پڑھنے والوں کے نہ دل کانپتے ہیں' نہ آنکھیں نم ہوتی ہیں' نہ سوچ بدلتی ہے' نہ اخلاق بہتر ہوتے ہیں۔ کیا قرآن نے اپنی تاثیر کھو دی؟ یا قرآن کے ماننے والوں ہی نے' ساری ظاہری وابستگی کے باوجود' قرآن کو کھو دیا؟ کہیں وہ قرآن کے اس قول کے مصداق تو نہیں ہو گئے کہ "آخرکار تمھارے دل سخت ہو گئے' پتھر کی طرح سخت' بلکہ سختی میں ان سے بڑھے ہوئے" (ثم قست قلوبکم من بعد ذلکَ فھی کالحجارة او اشد قسوة؟)۔ (البقرہ ۲:۷۴) اس سوال کا جواب دیے بغیر مستقبل کی کلید امت کے ہاتھوں میں نہیں آ سکتی۔

قرآن کی تاثیر ان ہی لوگوں کے لیے کارگر ہو سکتی ہے جو اس کو وہی مقام دیں جو اس کا حق ہے۔ تب ہی دعوئ ایمان صحیح ہو سکتا ہے' تب ہی اس کے فیوض و برکات حاصل ہو سکتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰاھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ط اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ط (البقرہ ۲:۱۲۱)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب (کی نعمتیں) دی ہیں' یہ وہ ہیں' جو اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ اسے پڑھنے کا حق ہے۔ وہی اس پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں۔

تلاوت قرآن کا حق یہ ہے کہ اللہ کا کلام دلوں کے اندر بھی حکمراں ہو' بازاروں' چوراہوں اور ایوانوں میں بھی۔ پرائیویٹ زندگی کا بھی رہنما اور امام ہو' پبلک زندگی کا بھی۔ قرآن ہی آرزو اور جستجو' فکر و سعی' تعلیم و تربیت' اور ثقافت و اجتماعیت کا مرکز و محور ہو۔ ان پڑھ اور پڑھے لکھے امیین کے درمیان قرآن کی تعلیم اتنی عام ہو کہ انھیں ہدایت الٰہی میں محض اپنے بے بنیاد خیالات اور آرزوؤں کا عکس نظر نہ آئے' اور علماے سو اپنی من مانی تعبیر و تفسیر کو منشائے الٰہی کا مقام دینے

میں کامیاب نہ ہوں۔

اتنا ہی بڑا حق تلاوت قرآن کا یہ بھی ہے کہ امت اس کو تمام انسانوں کو پڑھ کر سنائے (اِقْرَاء)' دنیا بھر کو' اس کی تلاوت کر کے' اس کے پیغام سے آگاہ کر کے (اُتْلُ)' کافۃ الناس تک اس کو پہنچا دے' اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو (بلغ ما انزل)' کھڑی ہو جائے اور آگاہ کرے (قُمْ فَاَنْذِرْ)' اور اپنے قول و عمل سے اس کو جوں کا توں پہنچائے۔ ہدایت الٰہی کی امانت پانے کے معنی اپنے رب سے اسی مشن کا عہد و میثاق ہے۔ اس عہد و میثاق کو وفا کرنے کا انعام عزت و سربلندی ہے' نقض میثاق کا انجام لعنت' قساوت قلوب اور ذلت اور مسکنت۔

اسی لیے حرا سے جس زندگی کے سفر کا آغاز ہوتا ہے' اس کا اتمام "فتح مکہ" ہے' اور اس راہ میں "بدر" کا یوم الفرقان ناگزیر تھا' اور ہے۔ اس بارے میں آج کے مسلمانوں کو کوئی غلط فہمی ہو تو ہو' نہ اس دل میں کوئی شک و شبہ تھا جس پر جبریل امین قرآن نازل کر رہے تھے' صلی اللہ علیہ وسلم' نہ ان کو جو اس قرآن کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے یا اس کو محض سننے والے تھے' یا جنھوں نے اس کی پکار پر لبیک کہہ دیا تھا۔ حیات نبویؐ میں اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔

حضورؐ حرا سے اتر کر آئے تو آپؐ لرز رہے تھے اور آپؐ کی زبان پر لقد خشیت علٰی نفسی (مجھے اپنی جان کا ڈر ہے) کے الفاظ تھے۔ بڑی کم فہمی ہو گی اگر سمجھا جائے کہ یہ "جان کا ڈر" ایک اجنبی مشاہدے کا نتیجہ تھا' یہ تو مستقبل کے مراحل و منازل کا احساس تھا جس سے قلب و جسم مبارک کانپ رہے تھے۔ اس مستقبل کا احساس اور خبر آپؐ کی دعوت میں ہر وقت جلوہ گر رہی۔ آپؐ کلمہ کی دعوت دیتے تو یہ بشارت بھی موجود ہوتی کہ "یہ ایک کلمہ مجھ سے قبول کر لو' اس کے ذریعے تم سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور سارا عجم تمھارے پیچھے چلے

گا"۔ ایک ایک سردار قبیلہ کے پاس جاتے اور فرماتے کہ مجھ پر ایمان لاؤ' مجھے اپنے ساتھ لے چلو' میرے کام میں میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ' یہاں تک کہ میں اس حق کو عیاں کر دوں جو اللہ نے مجھے دیا ہے۔ جب ساتھی مٹھی بھر تھے' اور دہکتے انگاروں پر لٹائے جا رہے تھے' تب بھی آپؐ خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں یہی فرما رہے تھے کہ "اللہ تعالیٰ ضرور میرے اس کام کو مرحلۂ تکمیل تک پہنچائے گا' یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا"۔ عتبہ کی نگاہ نے بھی اس منزل کو دیکھ لیا تھا جو حرا کے پیغام میں مضمر تھی۔ اس نے مخالف سرداروں سے کہا کہ محمدؐ کو ان کے حال پر چھوڑ دو' اگر اسے غلبہ حاصل ہو گیا تو "اس کا اقتدار تمھارا اقتدار ہو گا' اور اس کی طاقت و غلبہ تمھاری طاقت و غلبہ"۔ بنو عامر کے سردار بحیرہ بن فراس کی فراست نے بھی مستقبل میں پوشیدہ اس "حکومت و اقتدار" میں اپنا حصہ مانگ لیا تھا' جو دعوت قرآنی میں مضمر تھی۔ سفر ہجرت کی بے سروسامانی کے عالم میں آپؐ نے تعاقب کرنے والے سراقہ کو کسریٰ کے کنگن عطا فرما دیے تھے۔ عقبہ کے مقام پر بیعت کرتے ہوئے انصار بھی ان منازل سے پوری طرح آگاہ تھے۔ یہ "سرخ و سیاہ جنگ کا پیمان تھا"۔ اس میں "اشراف کی ہلاکت اور اموال کی تباہی" کے امکانات مضمر تھے۔

بدر کا مرحلہ

رمضان میں حرا سے جو کارواں چلا' اس نے رمضان ہی میں بدر کی منزل سر کی۔ بدر کے میدان میں ہماری امت کے اولین نے اپنی جاں نثاری سے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد اور فتح کی سرفرازی سے اس عہد و میثاق پر آخری مہر ثبت کر دی جس کی تکمیل کے لیے یہ امت وجود میں لائی گئی' جب رسول امتؐ نے بڑے پرسوز' بڑے قطعی' اور بڑے ناز و نیاز سے لبریز الفاظ میں یوں فرمایا:

"خداوندا! اگر یہ چند جانیں آج ختم ہو گئیں تو پھر قیامت تک تیری عبادت نہ ہو گی"۔

بدر کے میدان میں چند جانوں ہی کو فتح اور زندگی نہیں بخشی گئی' بلکہ ایک عقیدہ اور تہذیب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندگی بخشی گئی۔ اور رہتی دنیا تک امت کی زندگی اور غلبے کو اس امر کے ساتھ مشروط کر دیا گیا کہ اس کے دم سے روئے زمین پر اللہ کی عبادت ہوتی رہے گی' اور نبوت محمدیؐ کی اس خصوصیت کا اظہار ہوتا رہے گا کہ "میرے لیے پوری زمین مسجد بنا دی گئی ہے"۔ بدر سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ "حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے' تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے" اور "جسے ہلاک ہونا ہو' وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک ہو' اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے" (سورة الانفال)۔

بدر کے یوم الفرقان سے کئی اہم حقیقتیں آشکار ہو گئیں' جن کو اپنے سامنے

رکھنا آج امت کے لیے ناگزیر ہے۔

یہ حقیقت کہ عقیدوں' تہذیبوں اور قوموں کے درمیان معرکوں میں فتح و شکست کا انحصار تعداد اور مادی وسائل پر نہیں' بلکہ اپنے مقاصد سے وابستگی' وفاداری' جاں نثاری' قربانی اور استقامت پر ہے۔ امت کا مقصود و ہدف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی لیے' قرآن کی زبان میں' ایمان' تقویٰ اور صبر ہی وہ کنجیاں ہیں جن سے فتح و نصرت کے دروازے کھلتے ہیں' دشمنوں کے مکروقوت کے تاروپود بکھر جاتے ہیں' فرشتے ہزاروں کی تعداد میں پشت پناہی کرتے ہیں' ایک' سو کے مقابلے میں اور دس' ہزار کے مقابلے میں بھاری ہو جاتے ہیں' قلت سامان و تعداد کے باوجود غلبہ نصیب ہوتا ہے' اور آسمان و زمین سے برکتوں کے دہانے کھل جاتے ہیں۔ اس لیے سب سے بڑھ کر فکر ایمان' تقویٰ اور صبر کی کرنا چاہیے۔

یہ حقیقت کہ' اخلاقی قوت کے ساتھ ساتھ' حسب استطاعت ہر قسم کی مادی قوت کا حصول اور دشمن کے مقابلے میں ہر قسم کے سازوسامان کی فراہمی بھی ضروری ہے' اور دل کھول کر خرچ کرنا بھی۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ "جہاں تک تمھارا بس چلے' زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو.... اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمھاری طرف پلٹایا جائے گا"۔

یہ حقیقت کہ دشمن کے خلاف معرکے میں ثبات اور ذکر الٰہی جتنا ضروری ہے اتنا ہی ضروری یہ ہے کہ افتراق و انتشار اور جھگڑوں سے پاک رہا جائے اور اتحاد و اتفاق ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے' ورنہ ایسی کمزوری پیدا ہو گی جس کا مداوا کسی صورت نہ ہو گا' اور ایسی ہوا اکھڑے گی کہ پھر نہ بندھ سکے گی۔

یہ حقیقت کہ ایمان' ہجرت اور جہاد و نصرت ہی امت میں دوستی' تعاون' حمایت

اور ولایت کے تعلقات کی بنیاد اور جواز ہیں۔ اگر کفار ولایت کے رشتوں میں منسلک ہوں' اور مسلمان نہ ہوں' تو زمین میں فتنہ اور فساد کبیر پھیل جائے گا' اور اس زہریلے جنگل کا سب سے زیادہ زہریلا اور خاردار حصہ اسی امت کے حصے میں آئے گا جس کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا یہاں تک کہ فتنہ بالکل ختم ہو جائے۔

یہ حقیقت کہ جو ایمان' ہجرت اور جہاد و نصرت کی زندگی اختیار کریں گے "وہی سچے مومن ہیں"۔ ایمان و جہاد کی دعوت ہی میں ملت کی زندگی مضمر ہے۔ اللہ اور رسولؐ جس چیز کی طرف بلاتے ہیں اسی میں عزت' قوت اور غلبے کی زندگی کا راز ہے۔

آج امت اپنی تاریخ کے جس نازک دور سے گزر رہی ہے' اس میں کامیابی کی کوئی راہ ان حقیقتوں سے گریز کر کے نہیں کھل سکتی۔ عام مسلمان ہوں' اسلام کے علم بردار ہوں' مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لیڈر ہوں' حکمراں ہوں' سب کو رمضان کے اس مبارک مہینے میں اپنے اندر اور مسلمان ملت میں' ان حقائق کی روح پھونکنے کا عزم کر لینا چاہیے۔ یہی راہ "فتح مکہ" کی منزل تک لے جا سکتی ہے۔

فتح مکہ کی منزل

"فتح مکہ" کی منزل تک پہنچنے کے لیے کچھ مزید زاد راہ بھی ناگزیر ہے' جس سے آج بدقسمتی سے امت تہی دامن ہے۔ خاص طور پر' ایک محکم اور حکیمانہ حکمت عملی' دوسرے رحمت و شفقت اور عفو و درگزر' اپنوں سے بھی پیار' دشمنوں سے بھی پیار' کہ محبت ہی فاتح عالم ہے۔

محکم اور حکیمانہ حکمت عملی کے معنی یہ ہیں کہ جہاں جھکنا سودمند ہو' وہاں جھک جائیں' جہاں آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنا ضروری ہو' وہاں جم جائیں' جہاں محاذ آرائی سے راستہ بنتا ہو' وہاں مردوں کی طرح لڑ جائیں۔ کبھی اپنے عزائم خفیہ رکھیں' کبھی ان کا اعلان کریں۔ کبھی خندق کھودیں' کبھی خود حملہ آور ہو جائیں' کبھی صلح کر لیں' کبھی معاہدے منہ پر مار دیں۔

عفو و رحم کس طرح فتح مبین میں بدل جاتی ہے' اس کی بہترین جھلک فتح مکہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ حضورؐ نے فتح کے دن کو بر و وفا کا دن بنا دیا۔ فاتحانہ پالیسی عفو و رحمت سے ترتیب دی۔ ابوسفیان' اس کی بیوی ہندہ' حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی' ابوجہل کے بیٹے عکرمہ' عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو مرتد ہو گئے تھے' ہبار بن الاسود جس نے بنت رسول حضرت زینبؓ کا حمل ساقط کر دیا تھا--- اور ان جیسے دیگر بے شمار دشمنوں کو رحمتہ اللعالمین کے عفو و رحمت کے سایے نے ڈھانپ لیا۔ اسی عفو و رحمت نے حاطب بن ابی بلتعہؓ کی ایک فاش غلطی کو بھی سمیٹ لیا' جب انھوں

نے حضورؐ کے فتح مکہ کے منصوبوں سے اپنے اعزہ و اقربا کو ایک خط کے ذریعے مطلع کرنا چاہا۔ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک' یہی رحمت و شفقت اور عفو و محبت تھی کہ جس نے مکہ بھی مسخر کر لیا' اہل مکہ کو بھی۔ دشمن کی اپنی صفیں منتشر ہو گئیں' ان کی فصیلوں میں شگاف پڑ گئے' کشت و خون کے بغیر عرب کے مرکز پر اسلام غالب آگیا۔ یہی دشمن جگری دوست بن گئے' انھوں نے ہی ۳۰ سال کے عرصہ میں گردوپیش کی ساری متمدن دنیا کو' اٹلانٹک کے ساحل تک' اللہ واحد اور اس کے پیغمبرؐ کے نام اور پیغام سے معمور کر دیا۔

ہے کیا آج ہمارے معرکہ آراؤں میں یہ حکمت عملی' اور یہ عفو و رحمت؟

حسن اخلاق کی راہ

دعوت عام اور جہاد فی سبیل اللہ کی راہ جس طرح گہری للّٰہیت' سب سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو رہنے' اور سب سے بڑھ کر اسی سے محبت کرنے کے بغیر طے نہیں ہو سکتی' اسی طرح مخلوق خدا سے محبت' ان کے حقوق کی رعایت' اور ان کے ساتھ اخلاق حسنہ کے بغیر بھی یہ منزل سر نہیں ہوسکتی۔ حب الٰہی کا لازمی نتیجہ خلق الٰہی ہے۔ جہاں ایمان کا بیج ہو گا' وہاں یہ دونوں شاخیں ضرور پھوٹیں گی۔ "جو ایمان لاتے ہیں' وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں" (البقرہ ۲: ۱۶۵)' اور اللہ کی محبت ہی میں وہ اپنا مال اور اپنا سب کچھ اس کے بندوں کے لیے خرچ کرتے ہیں' لٹاتے ہیں' اور مٹاتے ہیں: وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ (البقرہ ۲: ۱۷۷) "اور اسی کی محبت کی خاطر وہ مال دیتا ہے"' وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ (الدھر ۷۶:۸) "اور اسی کی محبت کے مارے کھانا کھلاتا ہے"۔ نماز اور زکوٰۃ اسی لیے شجر ایمان کے دو توام تنے ہیں کہ ایک خالق کی محبت کا مظہر ہے تو دوسرا مخلوق کی محبت کا۔

نیکیاں اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ رکھتی ہیں' نیکیوں کے بھی خاندان اور شجرے ہوتے ہیں۔ دیکھیے' جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے قیام لیل اور سحر کے وقت استغفار کی تاکید فرمائی' تو بالکل اس سے متصل "خرچ کرنے" کی ہدایت بھی دی۔ خرچ کرنا صرف مال کا نہیں' بلکہ اپنے وقت کا' محنتوں کا' جسم و جان کی قوتوں کا' حتیٰ کہ اپنے وجود کا--- "جو کچھ بھی ہم نے رزق دیا ہے اس میں

سے"۔ جب فرمایا کہ "ان کی پیٹھیں بستر سے الگ رہتی ہیں"--- تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ "جو کچھ رزق ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں" (السجدہ ۳۲: ۱۶) جب کہا کہ "راتوں کو کم ہی سوتے تھے' اور رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے"--- تو فوراً بعد یہ بھی کہا "ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کا" (الذاریات ۵۱: ۱۷-۱۹)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو اسلامی معاشرہ' ریاست اور تہذیب کے روز اول جو کلمات ہدایت ارشاد فرمائے وہ یہ تھے کہ "سلام پھیلاؤ (صرف سلام کرنا نہیں' بلکہ یہ کہ آپس میں جان و مال اور عزت کی سلامتی عام کر دو)' اور کھانا کھلاؤ' اور رات کو نماز پڑھو جب لوگ سوئے پڑے ہوں' سیدھے جنت میں داخل ہو جاؤ گے" (ترمذی عن عبداللہ بن سلامؓ)۔

رمضان کا مہینہ بھوک پیاس کی ریاضت' قرآن کی تلاوت اور قیام لیل ہی کا مہینہ نہیں' باہمی غم گساری کا مہینہ بھی ہے۔ نبی کریمؐ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے' لیکن رمضان کے مہینہ میں آپ اتنی سخاوت فرماتے کہ گویا انتہائی تیز ہوا چل رہی ہو (مشکوۃ عن عبداللہ بن عباسؓ)۔

ذرا ایک نظر ان ہدایات پر ڈالیے جو اللہ تعالیٰ نزول وحی کے آغاز سے اپنے نبیؐ کو مسلسل دیتا رہا' تو دعوت اور اخلاق حسنہ کا رشتہ آپ کے سامنے بالکل کھل جائے گا۔ بالکل شروع ہی میں کہا گیا کہ "اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو"--- تو اس کے فوراً بعد یہ بھی کہا گیا کہ "اور اپنے کپڑے پاک رکھو" (المدثر)۔ پاک دامنی اور دامن دل کے وسیع معانی سے اردو دان بھی خوب آشنا ہیں' اور اہل عرب بھی کپڑوں کی پاکی سے یہی سمجھتے تھے کہ دامن پاک رکھو' یعنی اپنے اخلاق پاکیزہ رکھو' بدمعاملگی اور بداخلاقی کا داغ نہ لگنے دو' دامن دل بھی شرک و معصیت کی

نجاست سے پاک رکھو۔ امر بالمعروف کا حکم دیا تو اس سے قبل کہا کہ "اے نبیؐ ' نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو" اور بعد میں "جاہلوں سے نہ الجھو" کی ہدایت دی (الاعراف)۔ اسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حکم کے ساتھ جہاں صبر و صلوٰۃ کی تعلیم دی' وہاں اس کے بعد تفصیل سے یہ ہدایت بھی دی گئی کہ "لوگوں سے منہ پھلا کر بات نہ کر' نہ زمین پر اکڑ کر چل' اللہ کسی اکڑنے والے اور بڑائیاں مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر' اور اپنی آواز پست رکھ' سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے" (لقمان)۔ اسی بات کو یوں بھی کہا گیا کہ "رحمٰن کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں' اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔ (یہ وہ ہیں) جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں" (الفرقان)۔

میانہ روی اور نرمی صرف چال ڈھال کی مراد نہیں' بلکہ چال چلن میں' روش میں' برتاؤ میں' زندگی کے تمام معاملات میں' دین کے سارے کاموں میں' اور بالخصوص دعوت و جہاد کے عظیم و پُرخطر کام میں بھی نرمی اور میانہ روی مطلوب ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون جیسے ظالم و جابر اور مستبد حکمران کے پاس دعوت حق کے لیے بھیجا گیا' تو ہدایت کی گئی کہ "اس سے نرمی سے بات کرنا"۔ کیوں؟ شاید کہ وہ "نصیحت قبول کرے یا اس میں خشیت پیدا ہو" (طٰہٰ)۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ "اس سے دعاۃ و مبلغین کے لیے بہت بڑا دستور العمل معلوم ہوتا ہے"۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ "طریق دعوت سے متعلق ہدایت ہے کہ دعوت بہرحال نرمی سے دی جائے.... نرمی اور لینت دعوت کی فطرت ہے۔ حضرات انبیاء کی بعثت تعلیم و اصلاح کے لیے ہوئی' اس وجہ سے ان کی دعوت اور ان کے انذار میں ایک معلم کی شفقت اور ایک غم گسار کی دل سوزی ہمیشہ نمایاں رہی ہے۔ کسی نبی

کے متعلق بھی یہ بات علم میں نہیں آئی کہ اس نے ہیکڑی جتائی اور دھونس جمائی ہو۔ سخت سے سخت حالات میں بھی ان کا طرز تخاطب نہایت ہی نرم' موثر اور ہمدردانہ رہا ہے۔ ہیکڑی جتانا اور دھونس جمانا دنیا پرست لیڈروں کی خصوصیات میں سے ہے' موجودہ زمانے کے شیطانی پروپیگنڈے کی تو سمجھیے ساری بنیاد ہی اس پر ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے خود داعی اعظمؐ کے اخلاق کے بارے میں یوں گواہی دی ہے کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم ۶۸:۴) "بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبہ پر ہو"۔ اور یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اگر ہزاروں انسان--- ہر قسم کے انسان' خطاکار بھی اور نیک بھی' ضعیف بھی اور قوی بھی' اعلیٰ بھی اور ادنیٰ بھی' مال دار بھی اور نادار بھی' مرد بھی اور عورت بھی' بوڑھے بھی اور جوان بھی--- آپؐ کے پاس آئے' آپؐ سے چمٹ کر رہ گئے' آپؐ کی دعوت کو لے کر کھڑے ہوئے اور اس کے لیے سربکف ہو گئے' تو اس کی وجہ صرف کتاب الٰہی کا آنا اور آپؐ کی دعوت کا حق ہونا نہ تھا' بلکہ ان سے بڑھ کر' آپؐ کا خلق عظیم تھا' اور اس خلق میں سب سے نمایاں' آپؐ کی نرمی اور لینت تھی۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران ۳:۱۵۹)

یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر کہیں آپ تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمھارے گرد سے چھٹ جاتے۔

حضرت خدیجہؓ جو پچیس سال شب و روز آپؐ کی رفیقۂ حیات رہیں' آپؐ کی قبل نبوت کی زندگی کے بارے میں' پہلی وحی کے نزول کے وقت' یوں گواہی دیتی

ہیں:

اللہ کی قسم! اللہ آپؐ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا۔ آپؐ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بے کسوں کی خبرگیری کرتے ہیں، محرومیوں کے لیے کماتے ہیں، مہمانوں کی خاطرمدارات کرتے ہیں اور حق کے لیے مدد کرتے ہیں (بخاری، مسلم عن عائشہؓ)

حضرت عائشہؓ، جو حضرت خدیجہؓ کے بعد آپؐ کی سب سے زیادہ محبوب بیوی تھیں، یوں گواہی دیتی ہیں:

حضورؐ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ آپؐ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ اسے معاف کر دیتے تھے۔ آپؐ گناہ کی بات سے کوسوں دور رہتے تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا.... آپؐ نے کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت یا خادم، یہاں تک کہ جانور تک کو بھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپؐ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا (سید سلیمان ندوی: خطبات مدراس)۔

حضرت علیؓ بچپن سے جوانی تک نبی کریمؐ کی خدمت میں رہے۔ وہ گواہی دیتے ہیں:

آپؐ ہنس مکھ، طبیعت کے نرم، اور اخلاق کے نیک تھے۔ طبیعت میں مہربانی تھی، سخت مزاج نہ تھے۔ کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے۔ لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈا کرتے تھے.... آپؐ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، دل شکنی نہیں کرتے تھے بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے، کہ آپؐ رؤف رحیم تھے (ایضاً)۔

حضرت علیؓ نے یہ بھی فرمایا کہ:

آپ ؐ نے اپنے نفس سے یہ تین باتیں بالکل خارج کر دی تھیں: (ا) بحث و مباحثہ (۲) بے ضرورت بات کرنا (۳) بے مطلب کسی کی بات میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے: (ا) کسی کو برا نہیں کہتے تھے (۲) کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے (۳) کسی کی ٹوہ میں نہیں لگتے تھے (شمائل ترمذی)

اخلاق حسنہ کا مقام آپ ؐ نے اپنی اس امت کے سامنے بڑے اہتمام سے اور بڑی کثرت سے واضح فرمایا جس کو امت وسط بن کر سارے انسانوں کے لیے شہادت علی الناس، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ کے عظیم کام سرانجام دینے تھے۔ فرمایا:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (ترمذی عن عائشہؓ)

ایمان لانے والوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلقِ (مسلم عن النواس بن سمعانؓ)

نیکی بس حسن اخلاق ہے۔

اَحَبُّ عِبَادِ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ اَحْسَنُهُمْ اَخْلاَقًا (طبرانی)

اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ وَاَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَهِ اَحْسَنُكُمْ اَخْلاَقًا (ترمذی عن جابرؓ)

تم میں میرے سب سے زیادہ پیارے اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق ہیں۔

بُعِثْتُ لاتِمِمّ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (موطا)
میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔
اِنَّ الْمُومِنُ لَيُدرِكَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ دَرَجَةَ الصَّائِمُ وَالقَائِم (ابوداود عن عائشہؓ)
بے شک مومن حسن اخلاق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے سے ملتا ہے۔
مَا مِنْ شَیٍ ءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ خُلُقٍ حُسْنٍ (ترمذی عن ابودرداءؓ)
قیامت کے دن مومن کی ترازو میں حسن اخلاق سے بھاری اور کوئی چیز نہ ہو گی۔

حسن اخلاق کیا ہے؟ حسن بصریؒ کہتے ہیں: چہرہ کی بشاشت، فیاضی سے مال خرچ کرنا اور کسی کو ایذا پہنچانے سے اپنے کو روک لینا۔ واسطیؒ کہتے ہیں: آرام ہو یا تکلیف، ہر حال میں خلق خدا کو راضی کرنا۔ سہل تستریؒ کہتے ہیں: سب سے ادنیٰ درجہ ہے تحمل کرنا، بدلہ نہ لینا، ظلم کرنے والے پر رحم کرنا، اور اس کے لیے استغفار کرنا اور اس پر شفقت کرنا۔ بعض لوگ کہتے ہیں: لوگوں کے قریب ہو کر رہنا اور جو معاملات ان کے درمیان ہیں ان سے اجنبی بننا۔

آپؐ جیسا کون ہو سکتا ہے کہ آپؐ صاحب خلق عظیم تھے۔ لیکن آپؐ جیسا بننے کی کوشش میں لگے رہنے ہی سے دعوت و جہاد کی وہ راہ طے کرنے ممکن ہو سکتا ہے جو آپؐ کی راہ تھی۔ یہ بات دل پر نقش کر لینے ہی سے حسن اخلاق کی راہ آسان ہو سکتی ہے۔

رمضان کا پیغام

رمضان کے مبارک مہینے کا سایہ آپ کے سروں پر ہے۔ یہ مہینہ امیدوں کی روشنیوں کا مہینہ ہے' یہ مہینہ محنتوں کا مہینہ ہے' یہ مہینہ بے حد و حساب اجر اور نتائج کا مہینہ ہے۔ اس مہینے نے وہ صبح دیکھی جب حضورؐ لرزتے اور کپکپاتے غار حرا سے قرآن فرقان کی نعمت لے کر واپس گھر آئے اور آپؐ کی زبان پر "مجھے اپنی جان کا ڈر ہے" کے الفاظ تھے۔ پھر اس مہینے نے وہ دن دیکھا جب بدر کے میدان میں زندگی نے موت پر فتح پائی' صرف اہل عرب کے لیے نہیں' رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے یہ دن یوم الفرقان قرار پایا۔ پھر اسی مہینے نے وہ دن بھی دیکھا جب غار حرا سے اترنے والا اور مکہ سے نکالا جانے والا' صلی اللہ علیہ وسلم' مکہ میں اس شان سے داخل ہوا کہ اس کا سر اونٹنی پر اپنے رب کے آگے جھکا ہوا تھا' اس کے ارد گرد ہزاروں قدسیوں کے لشکر تھے' اور ایک قطرۂ خون بہائے بغیر مرکز ارضی' بیت ربانی' خانہ کعبہ کے دروازے کی کنجی اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہی دروازہ جو اس کے لیے کھولنے سے انکار کر دیا گیا تھا' اور اس نے کامل یقین اور امید سے بھرپور لہجے میں کہا تھا کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی--- یہ دن یوم الفتح کا دن تھا۔

خانہ کعبہ کی کنجی کچھ اچانک یونہی آپؐ کے ہاتھوں میں نہیں آ گئی تھی۔ نہ حرا' کوہ صفا اور طائف سے یَدْخُلُوْنَ فِی دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا تک کا انقلاب کوئی حادثہ تھا' نہ نزول قرآن کی سحر سے لے کر یوم فتح کی صبح تک کا سفر صرف خواہشات' تمناؤں اور دعاؤں کے بل پر طے ہوا تھا۔ کعبہ کی کنجی ہاتھ میں آنے سے پہلے لوگوں کے دلوں کی کنجیاں آپؐ کی مٹھی میں تھیں' اسی لیے آپؐ کو کعبہ کی کنجی عطا ہوئی۔ اس

سے پہلے کہ مکہ اپنے دروازے کھولے' بستی بستی' خیمہ خیمہ' دل دل' آپؐ کے لیے پھاٹک کھل چکے تھے' اور اسی لیے یہ ممکن ہوا کہ ایک قطرۂ خون بہائے بغیر آپؐ مکہ میں داخل ہو جائیں۔

یہ نبی کریمؐ کی رات دن کی جدوجہد تھی۔ یہ آپؐ کی ہردَم' ہرلحہ' ان تھک' دعوت الی اللہ کی کاوش تھی۔ یہ آپؐ کی پیار اور رحمت کی روش' دل کی نرمی' اخلاق کریمانہ' خلق عظیم اور قرب الٰہی کی تاثیر تھی کہ یہ معجزہ رونما ہوا۔ اس پورے عرصے میں آپؐ کو حقائق کی سنگینی اور تلخی کا پورا ادراک تھا' آپؐ نے ہر تدبیر کی' لیکن کسی لمحے بھی جھنجلاہٹ' غصہ' مایوسی اور انتقام کا شائبہ بھی آپؐ کے دل میں اور آپؐ کی روش میں پیدا نہ ہوا۔ دشمن ایک ایک کر کے آتے گئے' قدموں پر ڈھیر ہوتے گئے' اور آپؐ ان کو جھاڑ پونچھ کر سینے سے چمٹاتے رہے۔ یہی ورثۂ نبویؐ ہے' جس کے ضیاع یا جس سے غفلت کی وجہ سے ہم آج درماندہ اور حیران و پریشان ہیں۔ روشنیوں کا جو مہینہ آج ہمارے اوپر سایہ کیے ہوئے ہے' اس کا حاصل بھوک پیاس نہیں' رُت جگا نہیں' افطار و سحر کی مدارات نہیں' اس کا حاصل یہی ورثۂ نبویؐ ہے۔ اس مہینے میں حضورؐ بارش بھری ہواؤں سے بھی زیادہ فیاضی اور سخاوت کی بارش برسایا کرتے تھے۔ روحانی و اخلاقی فیوض کی بارش بھی' مادی و مالی فیوض کی بھی۔ اس لیے کہ یوم حرا سے یوم بدر تک اور یوم بدر سے یوم فتح تک کا سفر طے کرنے کے لیے جو زندگی اور روئیدگی ناگزیر ہے' وہ اسی بارش کے فیض سے حاصل ہو سکتی ہے۔

نیت کی پاکیزگی' اخلاص اور بے غرضی' قرآن کا قرب' قیام لیل' تقویٰ' صبر' محبت و موانست' نفس و زبان پر لگام' غصے اور جھگڑے سے اجتناب--- اس سفر کے لیے جو زاد راہ درکار ہے' اس کے سارے نشانات اور حصول کے راستے اس ماہ

مبارک میں موجود ہیں۔ فرمایا گیا: پیٹ کو کھانے پینے سے فاقہ کرانا' روزہ نہیں۔ روزہ تو یہ ہے کہ زبان کو بے ہودہ و بیکار اور شہوانی بات چیت سے فاقہ کراؤ۔ اگر کوئی تمھیں گالی دے یا جھگڑے پر اتر آئے' تو کہہ دو میں روزے سے ہوں! میں روزے سے ہوں! (ایسی باتوں میں نہیں پڑ سکتا)۔ آج کے مصلحین' رمضان سے یہی ایک خصلت حاصل کرلیں' تو خیر کثیر حاصل کرلیں گے۔ فرمایا گیا: جن کے لیے مغفرت عام نہیں' ان میں سے ایک وہ ہے جو دوسروں سے بغض و عداوت اور نفرت رکھنے والا ہے۔ دلوں میں جھانک کر دیکھیے' ہم ان گندگیوں سے کتنے پاک ہیں۔

کیا رمضان کے یہ لمحات دوبارہ نصیب ہوں گے؟ کون کہہ سکتا ہے' ہاں۔ پھر ان کو غنیمت جانیں ان کو ضائع نہ جانے دیں' ان سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ مایوسیوں کا دامن جھٹک دیں' جھوٹی امیدیں بھی نہ باندھیں' مرثیے پڑھنا بھی چھوڑ دیں۔ یقین رکھیں کہ اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں اگر روشنی کی کرن نمودار ہو گی' اور پیاسی' چٹختی دھرتی میں روئیدگی نمودار ہو گی' تو کچھ کرنے سے ہو گی' عمل سے زندگی بنتی ہے' جنت بھی جہنم بھی اور ہمارے کرنے سے ہو گی۔ ہم بارش کا پہلا قطرہ بنیں گے تو اللہ تعالیٰ کو ہمارے پاکستان اور ہماری قوم کا مقدر بدلتے کیا دیر لگتی ہے۔ وہ مالک الملک ہے' مردے میں سے زندہ کو نکالتا ہے' دیتا ہے تو بلاحساب دیتا ہے۔

اپنی اصلاح کی بھی فکر کریں' خیر اور تقویٰ عام کرنے اور اس کی بہار لانے کی بھی۔ بدکاروں کے خلاف نفرت و عداوت کے بجائے ان کے لیے نصیحت و خیرخواہی' ان سے امید' اور ان کی نصرت (ان کا ہاتھ پکڑنے) کی روش اختیار کریں۔ سب کو یہی صدا دیں' سب کو جگائیں' سب کے دلوں کی آبیاری کریں۔

وہی دیرینہ بیماری' وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

عملی پروگرام

رمضان کا مہینہ قرآن کا مہینہ ہے۔ قرآن کو مشن و مقصد اور زندگی میں حکمراں بنانے کے لیے بہت کچھ کرنا ہو گا اور کرنا چاہیے۔ یہ ضروری ہے کہ حیات اجتماعی' ریاست اور قانون کے دائروں میں کارفرما قوتوں سے جو کچھ اور جتنا کچھ کرایا جا سکتا ہو' اس کے لیے بھرپور جدوجہد جاری رکھی جائے۔ لیکن اتنا ہی' بلکہ اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم اور فہم کو عام کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں حکومت کے سربراہ' حکومتی ادارے' تعلیم گاہیں' غیر سرکاری ادارے' اور افراد نجی طور پر وہ سب کچھ کریں جو وہ کر سکتے ہوں۔ کچھ اقدامات بہ سہولت کیے جا سکتے ہیں' اور دور رس نتائج کے حامل ہو سکتے ہیں:

○ ہر آدمی جو پڑھ سکتا ہو' اس رمضان المبارک سے یہ عہد کرے' اور اس پر عمل شروع کر دے' کہ وہ روزانہ کم سے کم تین آیات یا جتنا زیادہ ممکن ہو' ضرور ترجمہ سے پڑھے گا۔ یہ کام آج شروع ہو گا' تو دو' چار' چھ سال میں مکمل ہو جائے گا۔

○ تمام تعلیمی اداروں میں قرآن مجید باترجمہ پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔ اس کا امتحان بھی رکھا جائے۔ اس کے نتائج کو امتحانی نتائج میں اسی طرح' بلکہ اس سے زیادہ' وزن دیا جائے جتنا دوسرے مضامین کو دیا جاتا ہے۔

○ سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں بھی قرآن مجید کے کچھ حصے باترجمہ پڑھنا لازمی قرار دیا جائے۔ ممکن ہو تو اس کے لیے مالی ترغیب دی جائے۔

○ سرکاری ملازمتوں کے لیے مقابلے کے سارے امتحانات میں بھی قرآن مجید کے ترجمے کا امتحان لازم کر دیا جائے۔

○ ابلاغ عامہ کے ذرائع' ٹیلی وژن' ریڈیو' اخبارات سب اپنے وقت اور صفحات کا ایک حصہ قرآن مجید کے ترجمے کی تعلیم کے لیے مخصوص کر دیں۔

○ محلوں میں' دیہاتوں میں' مساجد میں' اور پبلک اداوں اور عمارات میں بھی قرآن مجید کے ترجمے کی تعلیم کے انتظامات کیے جائیں۔

○ اساتذہ اور دیگر تعلیم یافتہ لوگوں کو قرآن مجید باترجمہ پڑھانے کی تربیت دی جائے۔ اساتذہ اور سرکاری ملازموں کو فارغ اوقات میں کلاسیں لینے کی ترغیب دی جائے' اور ممکن ہو تو مالی معاوضہ بھی دیا جائے۔

اس طرح حکومت' غیر سرکاری ادارے' افراد سب مل کر پوری قوم میں قرآن پڑھنے اور قرآن کو سمجھنے کی ایک لہر پیدا کر دیں۔ یہ لہر بہت سا خس و خاشاک' ملبہ' اور گندگیوں کو بہا کر لے جائے گی۔

قوم کا تعلق قرآن سے قائم ہو جائے گا تو ایمان قوی ہو گا' سوچ درست ہو گی' عمل کی اصلاح ہو گی' جہاد کی صلاحیت پیدا ہو گی' اور "بدر" اور "فتح مکہ" کی منازل تک پہنچنے کی راہیں کھلیں گی۔
